ڈاکٹر ارم صبا
پنجاب کالج برائے خواتین راولپنڈی
ڈاکٹر شگفتہ فردوس
استاد شعبہ اُردو ، جی سی ویمن یونیورسٹی ،سیالکوٹ

جدید اردو نظم میں اساطیری حوالے

Mythology in Modern Urdu Poem

Word "myth" is derived from the Greek word mythos, which simply means story. A myth is a story, a traditional story consisting of events that are ostensibly historical, though often supernatural, explaining the origins of a cultural practice or natural phenomenon. These stories are especially linked to the religious beliefs and rituals. Urdu literature is deeply influenced by myth, especially Hindu and Greek myth .Myths is the basic element of human culture and exists in every society. Besides literature, myths play a great role in science, psychology and philosophy. Urdu literatures have treasure of asateer. Classical Urdu nazm /masnavi based on supernatural characters. A myth can be a story involving symbols that are capable of multiple meaning, so modern Urdu poets use myth as symbols also.
Keywords: *Myth, Greek, Traditional Story, Supernatural, Religious beliefs, Rituals*.

ماضی کے انسان کی توہم پرستی نے ہر شے کو پر اسرار بنا دیا اور ہر عمل کسی نہ کسی دیوتا سے منسوب کر دیا گیا۔ ان دیوتاؤں کو خوش رکھنا بہت ضروری ہو گیا اس مقصد کے لیے عبادات، قربانی، تحائف اور خوشامد کی رسومات کی ابتدا ہوئی۔ بھوت پریت، جادو ٹونے، اور موکلات جیسے عوامل فروغ پانے لگے۔ ایک قبیلے کے افراد نے دوسرے قبیلے کے لوگوں کو مصائب سے نجات کے لیے دیوتاؤں کی خوشنودی کے طریقے بتائے یوں کہانی کا سلسلہ چل نکلا جو بعد ازاں اساطیری صورتوں میں ڈھل گیا۔

اسطورہ، اساطیر اور دیومالا کے لیے انگریزی زبان کا لفظ Myth استعمال ہوتا ہے۔ کسی ایک تہذیبی منطقے کی اساطیر یا مختلف تہذیبوں سے متعلق اساطیر کے مجموعہ کو Mythology کہا جاتا ہے۔[1] اساطیر کی جڑیں ما قبل تاریخ میں نہ جانے کب سے پیوست ہیں۔ اساطیر کا ارتقاء دنیا کے مختلف علاقوں کے مختلف قبیلوں میں مختلف انداز

سے ہوا اور یوں ایک عجیب و غریب پر اسرار دنیا وجود میں آئی۔ جنگلوں میں شکار کی زندگی نے جانوروں کے چہروں اور پیکروں کو اہمیت دی۔ قدرت اور موسم کے خوف نے دیوی دیوتاؤں کو متعارف کروایا اوران دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جانے لگی۔ مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے اپنے اپنے الگ دیوتا ہوتے تھے ہر ایک کی خصوصیات مختلف تھیں۔ اساطیر کہانیوں میں مسرت انگیز لمحات ہوتے ہیں اور یہ معجزات کی دنیا ہے۔

اساطیر نے ادب کو متاثر کیا اور ادب کو ہمیشہ سے ایک نیا موضوع دیا اساطیر کا تنوع ادب میں انگارنگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔[۲] اساطیر نے ادب کو متاثر کیا تو فنکاروں نے اپنی تخلیقات میں اساطیر کو جگہ دی۔ ہومر نے ایلیڈ اور اوڈیسی میں اساطیر کی دنیا خلق کی ۔یورپ میں ہومر کی دونوں "ایپک" کو بائبل کی طرح عزیز رکھا جاتا ہے۔ شکسپیئر، کیٹس، شیلے، صوفوکلیس، یوری پیڈس وغیرہ کی تخلیقات میں اساطیر کی دنیا آباد ہے۔

اردو ادب میں اساطیری حوالوں نے ادب کو نئی راہوں سے روشناس کرایا۔ ادبی فن پاروں میں اساطیری سلسلوں کو کثرت کے ساتھ کہیں اشارات اور کہیں وضاحتوں کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ جدید اردو نظم کا شاعر تخلیقِ فن کے مرحلے پر اپنے خارج کی دنیا اور اپنے داخل کی کائنات میں ایک ربطِ باہم قائم کرتا ہے تو ان کی تجسیم اس انداز میں کرتا ہے کہ نہ صرف اشیاء زندہ محسوس ہوتی ہیں بلکہ شاعر کے اندر کی دنیا بھی نظر آنے لگتی ہے۔ جدید اردو نظم کائنات کی من و عن پیش کش کا نام نہیں بلکہ شاعر خارج کو اپنے اندر جذب کرتا ہے پھر ان کے اساطیری، علامتی روپ کو نظم کی بنت میں شامل کرتا ہے۔ عقیل احمد صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "جدید شاعروں نے اسطور کے استعمال میں عموماً آفاقی نقطہ نظر اختیار کیا ہے اور خود کو اپنی تہذیب سے وابستہ اساطیر تک محدود نہیں رکھا بلکہ بعض یونیورسل اسطوروں کا بھی سہارا لیا ہے"[۳]

یونانی اور ہندی اساطیر کی خصوصاً اردو ادب پر گہری چھاپ ہے۔ یونانی اساطیر کے کچھ دیوتا تو ایسی شہرت اختیار کر گئے کہ آج بھی ان کے نام علامات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اپالو (زیوس اور لیٹو کا بیٹا) جو قوت اور خوب صورت جسم کے لِے شہرت رکھتا تھا۔ "ہرکولیس" جو طاقت کا علم بردار تھا۔ "نارسیس" حسن و جمال میں یکتا تھا۔ پرومیتھس "حق و مظلومیت کی علامت تھا۔ پنڈورا باکس کی اساطیری اصطلاح بھی اردو ادب میں کثرت سے

استعمال کی جاتی ہے۔اردو ادب پر ہندی اور یونانی اساطیر کے اثرات اور ان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ داستان، افسانے، ناول، شاعری غرض تمام اصناف پر اساطیر کی گہری چھاپ ہے۔

اردو شاعری میں ابتدا ہی سے اساطیری حوالوں کی بھرمار رہی ہے۔ قدیم مثنویوں کے کردار، ماحول اور کہانیاں پر اسرار اور غیر معمولی ہیں۔ان مثنویوں کے ہیرو کسی بھی دیوتا سے کم نہیں ہیں۔ قدیم اردو مثنویوں میں جنوں اور پریوں کے قصے، جادو گر، ساحر اور نجومی ہیں جو بادشاہوں کو آنے والے حالات سے آگاہ کرتے ہیں۔ جدید نظم میں بھی اساطیری حوالوں کو اپنایا گیا۔ اردو نظم کے تقریباً تمام شعراء نے اساطیری علامات سے کام لیا ہے اور بلا واسطہ اظہار کی بجائے بالواسطہ اظہار کا طریقہ اپنایا ہے۔ اظہار کا یہ طریقہ نظم میں دلچسپی کا سبب بنتا ہے۔

ہندوستان میں دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی روایت بہت پرانی ہے۔ دیوی دیوتاؤں کو شاعری میں بہت سے ناموں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ میراجی کو یونانی اور ہندی اساطیر پر مکمل عبور حاصل تھا۔ ہندی اساطیر نظم کی فضا کو پر اسرار بناتے ہیں۔ میراجی کی اکثر نظموں میں رادھا اور کرشن کی محبت کا ذکر ملتا ہے۔ نظم "سنجوگ" میں میراجی رادھا اور کرشن کی جدائی کا منظر بیان کرتے ہیں۔ قدیم اردو شاعری /، مثنوی کا ہیرو دیوتاؤں کی صفات اور شان رکھتا تھا آج بھی جب کوئی عورت اپنے ہیرو کی بہادری کی مثال دینا چاہے تو کسی دیوتا کو علامت کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ فہمیدہ ریاض نے اپنی نظم "میگھ دوت" میں ایسے ہی دیوتا کا تذکرہ کیا ہے۔ ہندو دیومالا میں یہ دیوتا "اندرا، بجری ، میگھا، سور گا پتی اور سکرا" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس دیوتا کی بہت سی صفات بیان کی جاتی ہیں یہ جھلسی ہوئی کھیتی کو پامال کرتا ہے اور پیاسی زمین کو سیراب کرتا ہے:

سنسناہٹوں کے ساتھ
گڑگڑاہٹوں کے ساتھ
آگیا/ پورن رتھ پر بیٹھ کر
میرا میگھ دیوتا
دوش پر ہواؤں کے بال اڑاتا ہوا
اس کا جامنی بدن آسماں پہ چھا گیا
بڑی گھن گرج کے ساتھ

ٹوٹ کر برس پڑا
اور میں آنکھیں موند کر
ہاتھ پسارے ہوئے دوڑتی چلی گئی
انگ سے لگا رہی / نیل اس کے انگ کا
مگر ملن کی پیاس پھر بھی باقی ہے (۴)

شاعرہ نے بدھ اساطیر سے تخلیق سطح پر جو رشتہ قائم کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سرمد صہبائی اپنی نظم میں شیو دیوتا کو او مہاویر کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ آ کر خلقت کا دکھ دور کریں۔ "جاتک کہانی" میں سرمد صہبائی نے گوتم کی پیدائش سے موت تک کی کہانی بیان کی ہے۔ تبسم کاشمیری کی نظم "سدھارتھ" میں گوتم بدھ کے سفر کی داستان بیان کی گئی ہے۔

راشد کی نظم میں بے شمار اساطیری علامات ملتی ہیں۔ ان کی نظموں کو پڑھیں تو ایک عجیب سی اساطیری فضا خلق ہوتی ہے۔ سمرقند، بخارا، صحرا اور سبا، بغداد، شہر کی فصیل، کاخ و کو، جنگل، عہدِ تاتار کے خرابے، اقلیم شیر و شر، یاجوج ماجوج، اسرافیل، مدائن، کاہن، ابولہب، آدم زاد، جسم کی راکھ، راہبہ سراب، نمرود، ہیکل تراش وغیرہ جیسی علامتیں نظم کو مکمل اساطیری بناتی ہیں۔ راشد کی نظمیں خصوصًا "حسن کوزہ گر، اس پیڑ پر ہے بوم کا سایہ، اسرافیل کی موت، ابولہب کی شادی، بوئے آدم زاد خوب صورت اساطیری حوالوں سے مزین ہیں۔

ہندو دیومت اور یونانی دیومالا میں بہت سے ایسے دیوتا دکھائی دیتے ہیں جنہیں ان کے کردار اور تعلیمات کی بدولت لافانی بنا دیا گیا۔ وزیر آغا کی نظم کا کردار پرومیتھس یونانی دیومالا کا ایک ایسا ہی کردار ہے۔ "ایک کتھا انوکھی" وزیر آغا کی نظم ہے۔ نظم میں اساطیری حوالے اور کردار ہیں۔ نظم کا آغاز ہی پر اسرار فضا سے ہوتا ہے۔ کائنات تباہی کی طرف گامزن ہے۔ وشنو سویا ہوا ہے وہ جاگنے پر اور جاگ کر کائنات کو درست کرنے پر تیار نہیں ہے۔ وشنو ہندوستانی اساطیر کا اہم استعارہ ہے۔ چرند، پرند، بادل ہوا سب اس کو جگانے کی کوشش میں ہیں۔ بالآخر سونے والا جاگتا ہے اور اٹھ کر حیرت سے پوچھتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ اس کے جواب میں شاعر اپنے درد کا نوحہ سناتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ دھرتی بنجر ہو چکی ہے۔ شاعر وشنو کو بتاتا ہے کہ پنڈورا کا قفل کھلا تھا اور بلائیں نازل ہوئیں تھیں:

ایک پہاڑ پھٹا تھا
پنڈورا کا قفل کھلا تھا
اور بلائیں
چیخوں کی صورت نکلیں تھیں (۵)

پنڈورا کا حوالہ اساطیری ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پنڈورا کو دیوتاؤں نے پرومیتھیس کے لیے بھیجا تھا مگر اس نے پنڈوارا کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ایپے میتھس نے پینڈورا کو اپنا دوست بنالیا اور اس کے صندوق کا قفل کھولا جسے وہ مصائب سے بھر کر لائی تھی۔ نظم میں آگے چل کر وزیر آغا بتاتے ہیں کہ وہی پینڈورا اب کہ کرخت آوازوں کا تحفہ لائی ہے اور یہ آوازیں کائنات کا حسن کھا گئی ہیں اور کائنات کی خوب صورتی کا ختم کر رہی ہیں۔ کہانی کچھ اور آگے بڑھتی ہے اور شاعر بتاتا ہے کہ "نامی" نام کی سہاگن کے ساتھ معاشرے نے اچھا سلوک نہیں کیا تھا اس کا بیٹا جھیل سے واپس نہیں آیا تو اس نے کالی کا روپ دھار لیا:

۔۔۔۔۔۔۔ایک ہی شب میں
کالی بن کر بھڑک اٹھی تھی
اور گلیوں میں جو بھی بچہ ملتا
وہ خونی پنجوں سے اس کی
بوٹی بوٹی کر دیتی تھی (٦)

نظم کی مجموعی فضا ہندی اساطیر کو ظاہر کرتی ہے۔ وزیر آغا ہی کی نظم "آدھی صدی کے بعد" کی فضا بھی اسطوری ہے۔ نظم چار حصوں پر مشتمل ہے اور یہ چار حصے انسانی زندگی کے چار ادوار کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ادوار ایک مسلسل سفر ہیں اور اس میں پیش آنے والے واقعات کو شاعر اساطیر کی مدد سے بیان کرتا ہے۔ نظم میں کلاسیکی مثنویوں کی طرح کہیں خوفناک بلائیں ہیں تو کہیں اژدھے۔ نظم کا مرکزی کردار کوہ قاف کی پری کی تلاش میں چلتا چلا جاتا ہے۔ اس سفر میں شاعر کو کہیں کہیں اپنے گرد حصار بھی محسوس ہوتا ہے یہ ایسا حصار ہے جسے کوئی درویش کسی سالک کی حفاظت کے لیے کھینچتا ہے۔ پرومیتھس اور پینڈورا کے اساطیری حوالے عبد العزیز خالد نے بھی اپنی نظم "حریرِ رگِ گل" میں استعمال کیے ہیں۔

اردو نظم میں اساطیری قصوں کے استعمال کا رواج بہت پرانا ہے۔ اردو ادب میں ایسے بہت سے کردار ہیں جنہیں مختلف عقیدوں اور مذہبی افکار نے اہم حیثیت دی۔ خوف تحیر اور رحمت کے یہ پیکر رفتہ رفتہ حسی پیکر بنتے گئے۔ عوامی احساسات وجذبات ان میں شامل ہونے لگے۔ رام اور سیتا کے اساطیری حوالے بھی اردو نظم میں کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ سیتا کی اگنی پریکشا کا واقعہ اردو نظم ونثر دونوں کا اہم موضوع رہا ہے۔ راجا دسترتھ کے بیٹے رام کے بن باس میں ان کا بھائی لچھمن ان کے ساتھ تھا۔ ایک دن جب رام شکار کے لیے گئے تو راون سیتا کو اٹھا کر لے گیا۔ راون اور رام کی جنگ کے بعد رام سیتا کو واپس لے آتا ہے لیکن لوگ سیتا پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ پاک نہیں ہے۔ رام نے اپنی بیوی سیتا کو پاکیزگی کا یقین دلانے کے لیے اگنی پریکشا دینے کو کہا۔ سیتا اس آزمائش سے گزرتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے لیکن اس کے اعتماد کی کرچیاں ہو جاتی ہیں اور وہ رام سے دور ہو جاتی ہے۔ زہرہ نگاہ نظم "بن باس" میں اسی واقعے کو بیان کرتی ہیں:

سیتا کو دیکھے سارا گاؤں
آگ پہ کیسے دھرے گی پاؤں
بچ جائے تو دیوی ماں ہے
جل جائے تو پاپن
جس کا روپ جگت کی ٹھنڈک
اگنی اس کا درپن
سب جو چاہیں سوچیں سمجھیں
لیکن وہ بھگوان
وہ تو کھوٹ کپٹ کے بیری
وہ کیسے نادان
اگنی پار اتر کے سیاں
جیت گئی وشواس
دیکھا دونوں ہاتھ پھیلائے

رام کھڑے تھے پاس
اس دن سے سنگت میں آیا
سچ مچ کا بن باس (۷)

بھوت، آسیب اور روحیں اکثر نظموں میں علامت کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ زہرہ نگاہ کی نظم "کوہِ ندا" میں پر اسرار آواز کا تذکرہ ہے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ خوف و اسرار کی پیش کش نظم کو اساطیری فضا فراہم کرتی ہے۔ قصوں کہانیوں میں جن اور چڑیلیں و عفریتیں بہت طاقت ور ہوتے ہیں۔ پروین شاکر کی نظم "یہ گئی اماوسوں کا ذکر ہے۔۔۔" میں شاعرہ کہانی سناتی ہیں۔ نظم کا مرکزی کردار ایک شام گھر لوٹتے ہوئے راستہ بھول گیا ہے اور جنگلوں میں بھٹک رہا ہے کہ اچانک:

ناگہاں کسی گھنیری شاخ کو ہٹا کے
روشنی کے دو الاؤ دہک اٹھے
ان کی آنچ میرے ناخنوں تک آ رہی تھی
ایک جست۔۔۔۔
اور قریب تھا، کہ ہانپتی ہوئی بلا
مرے رگِ گلو میں اپنے دانت گاڑ دیتی
دفعتاً کسی درخت کے
عقب میں چوڑیاں بجیں
کھلے ہوئے دراز گیسوؤں میں آنکھ مارتا ہوا گلاب
وہی بلا، وہی نجس، وہی بدن دریدہ فاحشہ
تڑپ کے آئی۔۔۔۔ اور۔۔۔
میرے اور بھیڑیے کے درمیان ڈٹ گئی (۸)

منیر نیازی کی نظم کا معتبر حوالہ خوف، دہشت، اور پر اسراریت ہے۔ جادوئی مناظر، مافوق الفطرت عناصر اور طلسماتی فضا منیر کی نظموں کا اہم حصہ ہیں۔ منیر کے ہاں چھچھل پیریاں، چڑیلیں اور آسیب ایک دہشت ناک صورِ حال میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کی نظموں کی پر اسرار فضا اپنے اندر گہری معنویت رکھتی ہے۔ "آتما کا روگ، ایک آسیبی رات، موسم بہار کی دوپہر، لیلی، اور ایک بھاری رات، جنگل میں زندگی، پاگل پن، ویران درگاہ میں آواز اور دھوپ میں ایک غیر آباد شہر کا نظارہ" جیسی نظمیں اساطیری فضا کی حامل ہیں۔ نظم "بھوتوں کی بستی" میں شاعر نے اساطیری فضا تخلیق کی ہے:

پیلے منہ اور وحشی آنکھیں، گلے میں زہری ناگ
لب پر سرخ لہو کے دھبے، سر پر جلتی آگ
دل ہے ان بھوتوں کا یا کوئی، بے آباد مکان
چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا، اک لمبا قبرستان (۹)

منیر نیازی کی اکثر نظموں میں خوف اور دہشت کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ "جنگل کا جادو" میں دہشت کی امیجری اتنی بھرپور ہے کہ پورا منظر ہی ہولناک اور خون آشام دکھائی دیتا ہے:

جس کے کالے سایوں میں ہے وحشی چیتوں کی آبادی
اس جنگل میں دیکھی میں نے لہو میں لتھڑی اک شہزادی
اس کے پاس ہی ننگے جسموں والے سادھو جھوم رہے تھے
پیلے پیلے دانت نکالے نعش کی گردن چوم رہے تھے
ایک بڑے سے پیڑ کے اوپر کچھ گدھ بیٹھے اونگھ رہے تھے
سانپوں جیسی آنکھیں میچے خون کی خوشبو سونگھ رہے تھے (۱۰)

آسیب درختوں پر اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں اور اماوس کی راتوں میں بھول چوک سے اپنے پاس آنے والوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس شخص کا جینا دو بھر کر دیتے ہیں۔ اردو داستانوی ادب میں تو یہ عناصر ہمیشہ سے کار فرما تھے ہی اردو نظم میں بھی ابتدا سے یہ عناصر کسی نہ کسی صورت میں سرگرمِ عمل رہے ہیں۔ اور جدید اردو شعراء نے بھی ان علامات اور اساطیری حوالوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔

یاسمین حمید کی نظم "گھنے پیپل" میں بھی پیپل آسیب زدہ نظر آتا ہے۔ سرمد صہبائی کی نظم "قصہ بابے بوڑھ والے کی بیٹی کا" میں شاعر کہانی اساطیری حوالوں کی مدد سے بیان کرتا ہے۔ انجان آواز پر پلٹ کر دیکھنا اور پتھر کا ہو جانا اردو داستانوں میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔ سجاد باقر رضوی اردو ادب میں اساطیر کے متعلق لکھتے ہیں:

> " یہ دیومالائیں، لوک گیت اور جنوں پریوں کی کہانیاں ہماری روحانی واردات کی ایک حد ہیں۔ ان کی دوسری حد ہمارے زمانے کا شعری اور نثری سرمایہ ہے "[۱۱]

فہمیدہ ریاض نے اپنی نظم "شہر والو سنو" میں اساطیری حوالوں کو جذبات کی ترسیل کا ذریعہ بنایا ہے۔ ماضی کی حسیت نے اس دور کے انسان کا المیہ بیان کرنے کا فرض بخوبی نبھایا ہے:

دور دیسوں میں ہوتا ہے کیا
ماجرے آج سارے سنو
وہ سیاہ چشم، پستہ دہن، سیم تن، نازنیں عورتیں
وہ کشیدہ بدن، سبز خط، خوش قطع ماہر و نوجواں
اور وہ جادوگری ان کی تقدیر ہے
وہ طلسمات، سرکار کی نوکری
اک انوکھا محل
جس سے گزرو تو ہر شاہزادے کا سے خوک کا بن گیا[۱۲]

جیلانی کامران کی نظم "ابی نمر" کا کردار "ابی نمر" ایک فرضی کردار ہے۔ یہ کرادر ابنِ عمر کے کردار سے متاثر ہے۔ ابنِ عمر کا کردار غرناطہ کی شکست کے بعد الحمرا کی بدحالی اور تباہی کے بعد منظوم کیے گئے قصوّں میں سے ایک ہے۔ لیکن نظم میں ابی نمر کا زمانہ شاعر نے غرناطہ کی شکست سے قبل کا دیا ہے۔ نظم کا پلاٹ عربوں کی فتوحات سے متعلق ہے اور اردو نظم کا رشتہ عربوں کی عظیم الشان علمی و ادبی روایتوں سے جوڑتا ہے۔ شاعر داستان گو کی طرح ابی نمر کا قصّہ سناتا ہے۔ جیلانی کامران کی نظموں میں مذہبی و اساطیری حوالے جابجا ملتے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم کی نظم "سقوطِ بغداد" تہذیبوں کے زوال کا نوحہ ہے۔ شاعر اساطیری حوالے استعمال کرتا ہے:

نجف سے گزرا تو میں نے دیکھا
ستون و محراب پر جھپٹتے ہوا کے قزاق کتنی صدیوں کے
شوق سجدوں کو بردِ بارود کر چکے تھے
سحر مجھے کربلا میں آئی
گہاں کلسٹر بموں کے شب خون کی شفق سے
کشیدہ سر جرأتوں کا سورج نکل رہا تھا
ہر ایک گھر میں صدائے شہ مرد گونجتی تھی
وہاں سے آگے فرات و دجلہ کے پار پہنچا تو میں نے دیکھا(۱۳)

ساقی فاروقی اپنی نظموں میں سیاسی و سماجی صورتِ حال کو تاریخی حوالوں کی مدد سے پیش کرتے ہیں۔ نظم "بہرام کی واپسی" میں وہ کشائشِ زمانہ کو بہرام کے تاریخی کردار میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔ سرمد صہبائی کی نظم "جاتک کہانی" کی فضا بھی اساطیری ہے۔ سرمد صہبائی نے گوتم کی پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام سفر کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ گوتم کی ماں سپنے میں دیکھتی ہے کہ اس کی کوکھ میں ست رنگ دریا چڑھتا ہے۔ اور اس اجلے پانی میں پورن ماشی کا سایا ہے۔ رفیق سندیلوی کے ہاں قدیم اساطیر، قصص و روایات، اور مذہبی حکایات کو زمانہ حال کے تناظر میں ڈھالتے ہوئے اس عصری شعور کی صورت گری کی گئی ہے جو مابعد جدید عہد کی حسیّت کو ایک علاحدہ سیاق میں پیش کرتا ہے۔ بقول دانیال طریر:

"رفیق سندیلوی کی بیش تر نظمیں لوک کہانی اور اساطیری فضا میں وقت ناوقت، خواب و حقیقیت، وجود و عدم، مکاں لامکاں، من و تو، جبر و اختیار، نیز وحدت و کثرت کے معنی تلاش کرتے ہوئے نت نئ تمثالیں گھڑتی اور پیش کرتی چلی جاتی ہیں۔"[١٤]

"سواری اونٹ کی ہے" نظم میں مرکزی کردار کئی سال بعد گلی میں پلٹ کے آتا ہے جہاں وہ ایک عورت کو اپنے وعدے کی ڈور سے باندھ کر گیا تھا۔ رفیق سندیلوی کی نظم "مگر مچھ نے مجھے نگلا ہوا" میں شاعر نے ڈرامائی طرزِ تخاطب سے کام لیا ہے۔ وہ عصری ماحول کی آلودگی پر فریاد کناں ہے۔ نظم میں وہ اپنی ماں سے مخاطب ہے۔ ستیہ پال آنند جدید اردو شاعری کا اہم نام ہے۔ ہندوستانی اور یونانی اساطیر سے انہوں نے گہرا رشتہ قائم رکھا ہے۔ "کالا جادو، پیڑ پر سوت کی، الوداع، ایڈپس ایک سوچ میں گم ہے، آخری چٹان تک، دو بھائی، کھوئی ہوئی پری، نٹ راج، وغیرہ جیسی نظمیں ان کے اساطیری جبلت کو ظاہر کرتی ہیں۔ فضا اعظمی کینظم "داستانِ بے ضمیری" طنزیہ نظم ہے۔ داستان کا آغاز شاعر نے قابیل کے اساطیری کردار سے کیا ہے اور اس کا اختتام دورِ حاضر میں ہوتا ہے

اساطیر ہر دور کے شعراء کے لیے باعثِ کشش رہی ہیں۔ اساطیر ایک طرف خارجی مظاہر کو متشکل کرتی ہیں تو دوسری جانب داخلی واردات کی مظہر ہیں۔ اردو شعراء نے بلاواسطہ اظہار کی بجائے بالواسطہ اظہار کا طریقہ اپنایا جس میں علامتی اور تمثیلی طرز کے ساتھ ساتھا ساطیری طریق کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ اس طریقہ اظہار کو ادب میں اس لیے بھی پذیرائی ملی کہ اس میں معنویت کی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ اردو نظم کے شعراء نے اساطیری حوالوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور عصری حسیت کے بیان کے لیے اساطیری حوالوں سے کام لیا۔

حوالہ جات

١۔ قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ٢٠٠٩، ص ١٣

٢۔ ایضاً، ص ٦٦

٣۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اردو نظم (نظریہ و عمل) علی گڑھ ایجوکیشنل بک ہاؤس، ١٩٩٠ء، ص ٤٠٨

٤۔ فہمیدہ ریاض، سب لعل و گہر، لاہور، سنگِ میل پبلیکیشنز، ٢٠١١ء، ص ٩٨

٥۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل، لاہور، مکتبہ فکر و خیال، ١٩٩١ء، ص ٧٣٧

٦۔ ایضًا، ص ٧٥٢

۷۔ زہرہ نگاہ،شام کا پہلا تارا، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۲ء، ص۲۷
۸۔ پروین شاکر، خوش بو، نئی دہلی، شانِ ہند پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء، ص۱۵۱
۹۔ منیر نیازی، جنگل میں دھنک، لاہور، نیا ادارہ، بار اوّل، ۱۹۶۰ء، ص۴۹
۱۰۔ ایضاً، ص۶۵
۱۱۔ سجاد باقر رضوی ،ڈاکٹر، تہذیب و تخلیق، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص۱۹
۱۲۔ فہمیدہ ریاض ،، سب لعل و گہر، لاہور، سنگِ میل پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء، ص۱۴۵
۱۳۔ آفتاب اقبال شمیم، میں نظم لکھتا ہوں ،پورب اکادمی اسلام آباد ،۲۰۰۹ء، ص۱۱
۱۴۔ دانیال طریر، معاصر تھیوری اور تعینِ قدر ، مہر در انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص۱۸۸